آزاد اسلامی معیشت کے قیام کے طریقے

پروفیسر حافظ خالد محمود ترمذی، گورنمنٹ ڈگری کالج نمبر ۱ ڈیرہ اسمٰعیل خان

بسم اللہ ولہ الحمد وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ واصحابہ وسلم

مختصر تاریخ

پانچویں صدی عیسوی میں جب سلطنتِ روما (Roman Empire) کو زوال آیا تو یورپ کی تمدنی، معاشی اور سیاسی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا۔ تمام سلطنت تقسیم در تقسیم ہو کر بے شمار چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی جن کا انتظام مقامی رئیسوں اور جاگیرداروں نے سنبھال لیا اور اس طرح یورپ میں نظامِ جاگیرداری (Fuedal System) کا آغاز ہوا۔ مسیحی کلیسا یا چرچ بھی جو خدا کا نائب ہونے کا مدعی تھا یورپ میں ان دنوں نیا نیا قائم ہوا تھا اس نے نظامِ جاگیرداری سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ ادب و فلسفہ، سیاست و معاشرت اور معیشت الغرض جس چیز کی جو بھی صورت نظامِ جاگیرداری میں قائم ہو گئی کلیسا نے اسے من جانب اللہ قرار دیا اور اس لیے اس کو بدلنا نہ صرف جرم بلکہ حرام ٹھہرا۔

نشاۃ ثانیہ Renaissance

ہسپانیہ اور صقلیہ (سسلی) پر مسلمانوں کے قبضے اور صلیبی جنگوں نے اہلِ مغرب کو مسلمان قوم سے دوچار کر دیا جو اس وقت تہذیب و تمدن میں دنیا کی امام تھی چودھویں صدی سے لیکر سولہویں صدی تک کا دور یورپ کی تاریخ میں دورِ متوسط سے دورِ جدید کی طرف عبور کا دور تھا! اس عہد میں یورپی تمدن کا ہر پہلوان

اثرات سے زیر اثر حرکت میں آگیا جو بیرونی دنیا سے درآمد ہو رہے تھے۔ اس نئی تحریک کے کاروان سالار وہ بورژوا طبقہ (سوداگر، ساہوکار، بحری تجار اور اہل حرفہ وغیرہ) تھا جو تبدیلی و ترقی کے ان مواقع سے فائدہ اٹھا رہا تھا لیکن کلیسا اور جاگیرداری کے گٹھ جوڑ کی طرف سے عائد کردہ فکری مذہبی اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی بندشیں اس طبقے کی ترقی کی راہ کا روڑا بن گئیں اس لیے ان دونوں طاقتوں کے خلاف ایک ہمہ گیر کشمکش نے جنم لیا۔ اس جنگ کا نتیجہ پرانے نظام کی پسپائی اور نئی طاقت کی پیش قدمی کی صورت میں ظاہر ہوا اور سولھویں صدی میں تاریخ نے اپنے آپ کو پھر دہرایا تلك الايام نداولها بين الناس چھوٹی چھوٹی جاگیرداریاں ختم ہوتی گئیں اور ان کی جگہ پھر بڑی بڑی قومی ریاستیں ابھر آئیں۔ یورپ کے روحانی غلبے کا طلسم بھی ٹوٹ گیا اور اس طرح کلیسا اور جاگیرداری کے مشترک تسلط کے خاتمے کے ساتھ بورژوا طبقہ ان روایتی اور معاشرتی بندشوں سے بالکلیہ آزاد ہو گیا جو اس کی راہ میں حائل تھیں [۱]

لبرلزم Liberalism

کلیسا اور جاگیرداری کے خلاف یہ جنگ لبرلزم یعنی "وسیع المشربی" کے نام سے لڑی گئی۔ نئے فلسفے کے علمبردار فلسفہ و مذہب، علم و فن، تہذیب و تمدن، معاشرت و معیشت اور سیاست اور فکر و عمل کے ہر میدان میں وسعت مشربی، فراخ دلی، کشادگی اور فیاضی کا درس دیتے تھے۔ اس معرکہ آرائی میں اہل کلیسا اور جاگیرداروں کی تنگ نظری اگر ایک انتہا کو پہنچی ہوئی تھی تو بورژوا طبقے کی وسیع المشربی دوسری انتہا کو۔ دونوں طرف خود غرضیوں کا راج تھا۔ حق و انصاف امر فکر صالح اور صحیح علم سے فریقین تہی دست تھے۔ یہی دور تھا جس میں سیاست کا رشتہ اخلاق و مذہب سے ٹوٹ گیا اور میکیاولی نے علی الاعلان اس نظریہ کو رواج دیا کہ سیاسی اغراض و مصالح کے سلسلے میں اخلاقی اصولوں کی پابندی قطعی ضروری نہیں۔ یہی زمانہ تھا جس میں کلیسا اور جاگیرداری کے مقابلے میں قومیت قوم پرستی اور قومی ریاست کے نئے بت تراشے گئے جس کی بنیاد وطن پرستی تھی اور اس فتنے کی بدولت آج دنیا جنگوں اور قومی و نسلی عداوتوں کے کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہے بقول اقبالؔ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہی وہ دور تھا جس میں سُود کو پہلی مرتبہ جائز و مباح قرار دیا گیا۔ حالانکہ قدیم ترین زمانوں سے قائم دنیا کے علماء دین اور قانون دان سُود کی حرمت پر متفق تھے نہ صرف تورات اور قرآن نے اسے حرام قرار دیا تھا بلکہ افلاطون اور ارسطو بھی اس کی حرمت کے قائل تھے۔ یونان اور روما کے قوانین میں بھی سُود حرام تھا [1]

لیکن نشاۃ ثانیہ کے تحت جب بورژوا طبقہ نے کلیسا کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو پہلے سُود کو ایک ناگزیر برائی قرار دیا گیا۔ پھر پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر مسیحی متجددین و مصلحین (Reformists) نے بھی اس کو اضطراراً جائز قرار دیدیا پھر تمام اہل علم و دانش کی بحث کا موضوع یہ بن گیا کہ سُود کی "شرح" (Rate) معقول ہونی چاہیئے۔ رفتہ رفتہ کرایہ مکان کی طرح معاشی حیثیت سے سُود کو ایک فطری اور 'معقول' چیز تسلیم کر لیا گیا۔

صنعتی انقلاب

اٹھارویں صدی میں مشین کی ایجاد نے انقلاب کی رفتار کے لیے مہمیز کا کام دیا اس عظیم الشان انقلاب کے نتیجے میں ترقی و خوشحالی اور قوت و اقتدار کے جو مواقع پیدا ہوئے ان سے بھر پور استفادہ بھی اسی بورژوا طبقے نے کیا جو نشاۃ ثانیہ کی پیداوار تھا کیونکہ صنعت و حرفت اور تجارت و معیشت اسی کے ہاتھ میں تھی سرمایہ پر وہ قابض تھا علم و ادب پر اس کا سکہ چلتا تھا اس نے سرمایہ، فنی صلاحیت اور تنظیمی قابلیت کے بل بوتے پر صنعت اور کاروبار کا ایک نیا نظام استوار کیا جسے جدید نظام سرمایہ داری (Modern Capitalism) کہا جاتا ہے۔

جدید لبرلزم

اس زمانے میں پرانے لبرلزم کے علمبردار جو پہلی جنگ میں بھی کامیاب و کامران رہے تھے نئے ہتھکنڈوں سے مسلح ہو کر اٹھے اور انہوں نے سیاست و جمہوریت کا، تہذیب و تمدن ادب و اخلاق میں انفرادی آزادی کا اور معاشیات میں بے قیدی (Laissez Fair Policy) کا نعرہ بلند کیا۔ بقول اقبال ؎

نیا جال لائے پرانے شکاری

انکا مطالبہ یہ تھا کہ ریاست، معاشرے اور کلیسا میں سے کسی کو بھی فرد کی ترقی کرنے اور نفع اٹھانے کی کوششوں پر پابندیاں اور بندشیں لگانے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ معاشرے کی بھلائی

اور بہتری اس میں ہے کہ ہر فرد کو زندگی کے ہر شعبے میں ہر عمل میں پوری آزادی ہو۔ ہر قسم کی بیرونی رکاوٹ سے، ہر رسمی قید سے ہر اخلاقی و مذہبی مداخلت اور ہر قانونی یا اجتماعی بندش سے مکمل آزادی۔

سیاست میں ان کا اصرار تھا کہ حکومت کے اختیارات کو کم سے کم کیا جائے اور فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ حکمرانی و اقتدار نہ تو کسی زمیندار یا جاگیردار کا حق ہے اور نہ کسی شاہی خاندان کی ملک۔ ملک عوام کا ہے انہی کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے کاروبارِ حکومت چلتا ہے اس لیے انہی کی رائے سے حکومتیں بننی اور بدلنی چاہیں انہی کو قانون سازی اور نظم و نسق کا حق حاصل ہے انہی نظریات کی بنیاد پر اٹھارویں صدی سے دنیا میں جدید جمہوریتیں خود رو مشروم کی طرح بننی اور بدلنی شروع ہوئیں۔ ان میں جمہور کو جمہور کی آواز کو کتنا عمل دخل حاصل ہے سب پر عیاں ہے۔

معاشیات میں اس اصول کو انہوں نے رواج دیا کہ فطری قوانین معیشت کو بغیر کسی خارجی مداخلت کے کام کرنے دیا جائے تو افراد کی انفرادی کوششوں سے اجتماعی فلاح و بہبود خود بخود ہوگی۔ پیداوار بڑھے گی اور اس کی تقسیم بھی احسن طریقے سے ہوتی رہے گی۔ شرط یہ ہے کہ افراد کو سعی و عمل کی آزادی ہو اور حکومت اس میں کوئی مداخلت نہ کرے اسی اصول کو بے قید یا آزاد معیشت (Free Enterprise) کہتے ہیں جو جدید نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہے۔[1]

آزاد معیشت کے چند اصول مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ ذاتی یا شخصی ملکیت کا حق

آزاد معیشت کا یہ بہت اہم اصول ہے کہ ہر شخص کو ذاتی ملکیت کا حق ہے اس کے مرنے کے بعد اس کی جائداد اس کے ورثاء کا حق ہے یہی نہیں بلکہ ان اشیاء کی ملکیت کا بھی حق ہے جن سے وہ مختلف اشیاء ضرورت پیدا کر کے خریداروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے یعنی آلات مشینیں، زمین خام مال وغیرہ۔ مکان، فرنیچر، سواری، مویشی، کپڑے، برتن وغیرہ پر حقوقِ ملکیت تو ہر نظام تسلیم کرتا ہے لیکن ذرائع پیداوار کی ملکیت بعض نظاموں میں متنازع ہے۔

۲۔ آزادئ سعی کا حق (Right of Free Enterprise)

جس شخص کے پاس سرمایہ قابلیت اور تجربہ ہے تو اسے حق ہے وہ انہیں کسی فرم یا کارخانے یا کسی بھی منافع بخش کاروبار میں لگا دے۔ اسے پوری آزادی ہے

کہ وہ اپنی پیداوار کو گھٹائے یا بڑھائے اور اس کی جو چاہے قیمت مقرر کرے۔ پھر اسے چھوٹے یا بڑے کاروباری گروپ بنانے کا بھی حق ہے ان کی مرضی ہے کہ جتنے لوگوں سے اجرت پر یا تنخواہ پر کام لیں۔ بائع اور مشتری مالک اور نوکر۔ اجیر اور آجر جو بھی معاہدہ طے کریں جن شرائط پر کریں اور جو ذمہ داری چاہے قبول کریں۔ اور جو قواعد و ضوابط چاہے بنائیں۔

ذاتی نفع کا محرک Profit Motive

سرمایہ داری نظام کے نزدیک فائدے کا لالچ اور نفع کی امید وہ واحد جذبہ یا محرک ہے جو انسان کو سعی و عمل پر ابھارتا ہے بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ انسانی زندگی میں اس کے سوا کوئی دوسرا محرک عمل ہے ہی نہیں۔ نفع کے امکانات جتنے کم ہوں گے اتنی ہی محنت و مشقت اور جدوجہد کم ہوگی۔ نفع کے امکانات زیادہ ہوں گے تو ہر فرد اپنی محنت و قابلیت کے بل بوتے پر زیادہ سے زیادہ اور بہتر کام کر کے زیادہ کمانے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح پیداوار خود بخود بڑھے گی اور اس کا معیار بھی بہتر ہوتا رہے گا۔ تمام وسائل و ذرائع پیداوار استعمال میں آئیں گے اور اشیاء ضرورت کی فراہمی فراوانی سے ہوگی اور ذاتی فائدے اور نفع کی طمع میں اجتماعی مفاد کی خدمت بھی خود بخود ہو جائے گی جو کسی اور طرح ممکن نہیں ہے۔

۴۔ مسابقت اور مقابلہ Compitition

تاجر اور صنعت کار زیادہ سے زیادہ اشیاء ضرورت مارکیٹ میں لا کر اور اشتہارات کے ذریعے اپنی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ خریداروں کے ہاتھوں فروخت کر کے آپس میں مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ اس مسابقت کی دوڑ میں بسا اوقات اپنی چیزوں کی قیمتیں کم کر کے اور معیار اعلیٰ کر کے یا انعامات کے لالچ دے کر اپنے برانڈ کی زیادہ اشیاء فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف خریدار بھی اچھی سے اچھی چیز سستے داموں حاصل کرنے میں مسابقت کرتے ہیں بعض اوقات طلب زیادہ ہونے اور اس چیز کی رسد (Supply) کم ہونے کی صورت میں وہ اس چیز کی قیمت زیادہ دے کر بھی اس کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح اجیروں اور مزدوروں کے درمیان بھی کام حاصل کرنے کے سلسلے میں مقابلہ ہوتا ہے۔

نظام سرمایہ داری کے حامی یہ کہتے ہیں کہ مقابلہ و مسابقت سوداگروں کی خود غرضی کو ایک

حد تک روکے رکھتی ہے۔ کھلے بازار میں جب ایک ہی جنس کے بہت سے تجار و سوداگر اور بہت سے خریداروں میں مقابلہ ہوتا ہے تو کسر و انکسار سے قیمتوں کا خود ہی ایک مناسب معیار بن جاتا ہے جس سے نفع خوری ایک مقررہ حد سے نہ بڑھ سکتی ہے نہ کم ہو سکتی ہے۔ اسی طرح متاجر اور اجیر مسابقت کی وجہ سے تنخواہوں اور اُجرتوں کے متوازن معیار قائم کرتے رہتے ہیں شرط یہ ہے کہ مقابلہ و مسابقت آزادانہ ہو اس پر کسی قسم کی اجارہ داری (Monopoly) نہ ہو۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ آجر و سوداگر آپس میں اور اجیر بھی آپس میں اور خریدار آپس میں مقابلہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے بھی۔ مزدور، سرمایہ دار کے مقابلہ کیلیے (Trade Union) یونینیں بناتے ہیں اور تاجر و صنعت کار بھی ایسوسی ایشن بنا لیتے ہیں اسی طرح خریدار بھی اپنی ایسوسی ایشن بنا لیتے ہیں قیمتوں کو ایک خاص سطح تک رکھنے کے لیے۔ اس طرح مسابقت (Compitition) اور شراکت بمعنی اشتراک ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

۵۔ متاجر اور اجیر کے حقوق کا فرق

ہر کاروباری ادارہ دو فریقوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک مالک اور دوسرا کارکن یا مزدور مالک اپنے سرمایہ سے کوئی کاروبار تجارت یا صنعت چلاتے ہیں تو نفع و نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں اس لیے وہ اسی کاروبار تجارت یا صنعت کے بلا شرکت غیرے مالک ہونے کے مستحق ہیں اسے سرمایہ داری کا سنہری اصول (Golden Rule of Capitalism) کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف ملازم یا مزدور کو نفع و نقصان سے کوئی غرض نہیں ہوتی اسے تو اپنی اجرت سے سروکار ہوتا ہے جو وہ اپنی محنت اور اپنے کام کے وقت (Working Hours) کے بدلے میں لیتا ہے خواہ کاروبار میں نقصان بھی ہو وہ اپنی اجرت لیے جاتا ہے اگر کاروبار یا صنعت بالکل بند ہو جائے وہ دوسرے کسی تاجر یا صنعت کار کے کارخانے میں کام شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح از روئے انصاف یہ بات طے ہے (نظام سرمایہ داری کے نزدیک) کہ کاروبار کے منافع میں بھی اسی کا حصہ ہے جو کاروبار میں نقصان برداشت کرتا ہے اور جو کاروبار کا خطرہ مول لیتا ہے اسے معاشی اصطلاح میں (Control of Risks) کہا جاتا ہے[۱] مزدور صرف اپنی طے شدہ اجرت لینے کا مجاز ہے۔ اس دلیل سے کہ کاروبار میں منافع ہو رہا ہے

اجرت میں نہ تو اضافہ ہونا چاہیے اور نہ اسے کم ہونا چاہیے کہ جب کاروبار میں نقصان ہو رہا ہو۔ اجرتوں میں کمی بیشی اسی فطری قانون کے تحت ہوگی جس کے تحت دیگر تمام اشیاء پیداوار کی قیمتیں زیادہ یا کم ہوتی ہیں یعنی کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد زیادہ ہوگی اور کام لینے والے کم ہوں گے تو ظاہر ہے اجرتیں خود بخود کم ہو جائیں گی اور اگر کام لینے والے زیادہ ہوں گے اور کام کرنے والے کم تو اجرتوں میں خود بخود اضافہ ہو جائے گا۔ محنتی اور باصلاحیت کارکن زیادہ اجرت پائیں گے مالک زیادہ نفع کی خاطر انہیں انعام (Bonus) یا ترقی کا لالچ دے کر ان سے زیادہ کام لے گا اور کاروبار میں بھی ترقی ہوگی۔ مالک کی فطری خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ کم سے کم لاگت سے زیادہ سے زیادہ منافع کمائے۔ اس لیے وہ اجرتیں کم رکھتے ہیں جبکہ کارکنوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اجرتیں حاصل کریں تاکہ وہ اپنی ضروریات زندگی آسانی سے پوری کریں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فریقین کے درمیان کشمکش (Class Conflict) شروع ہو جاتی ہے لیکن بالآخر کسر و انکسار کے ذریعے ایسی اجرتیں طے ہوتی رہتی ہیں جو فریقین کے لیے قابل قبول ہوتی ہیں۔

ارتقاء کے فطری اسباب پر انحصار

سرمایہ داری نظام کے حامیوں کا کہنا ہے کہ جب کاروبار میں نفع کا انحصار اس امر پر ہے کہ لاگت کم ہو اور پیداوار زیادہ۔ لہٰذا تاجر اور صنعت کار اپنے مفاد کی خاطر پیداوار بڑھانے کے لیے بہتر سائنسی طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اپنے آلات اور مشینوں کو درست حالت میں رکھتے ہیں۔ خام مال کو کم قیمت پر زیادہ مقدار میں کوشاں رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ بغیر کسی بیرونی خلل اندازی اور مصنوعی تدبیر کے آزاد معیشت کی اندرونی منطق خود بخود کراتی رہتی ہے۔ قوانین فطرت۔ افراد اور گروہوں کی سعی و عمل سے اجتماعی فلاح اور ترقی و خوش حالی غیر محسوس طریقے سے کراتے رہتے ہیں جو اجتماعی منصوبہ بندی سے احسن طریقے سے نہیں ہو سکتے۔

۷۔ ریاست کی عدم مداخلت

سرمایہ داری کے وکیل کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا اصولوں پر معاشرے کی فلاح و بہبود اسی صورت میں سکتی ہے جبکہ افراد کو بغیر کسی قید و بند کے آزادانہ کام کرنے کے مواقع دیے جائیں۔ فطرت کے معاشی

قوانین میں اس قسم کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ جب وہ سب مل جل کر کام کرتے ہیں تو نتیجہ سب کی بہتری اور بھلائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے حالانکہ افراد اپنے ذاتی فائدے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ جب انہیں اپنی سعی و کاوش کا صلہ لامحدود نفع کی صورت میں ملتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کے لیے اپنی تمام تر قوت و قابلیت کو کام میں لاتے ہیں۔ لہذا سب کے لیے اچھے سے اچھا مال وافر مقدار میں مہیا ہوتا ہے۔ کھلی مارکیٹ میں جب تجار صناعوں اور خام مال فراہم کرنے والوں کے مابین مقابلہ و مسابقت ہوتی ہے تو قیمتوں میں خود بخود توازن و اعتدال پیدا ہو جاتا ہے اور اشیاء کا معیار بھی بلند ہوتا ہے نیز یہ بھی پتہ لگتا رہتا ہے کہ معاشرے کو کن اشیاء کی کس مقدار میں ضرورت ہے۔ پیدائش دولت کے فطری عمل میں ریاست بے جا مداخلت کر کے اس کا توازن نہ بگاڑے بلکہ ایسے حالات پیدا کرے جن میں انفرادی آزادی عمل کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم ہو سکے۔ امن و امان اور نظم و ضبط قائم کرے۔ حقوقِ ملکیت کی حفاظت کرے۔ معاہدوں کو قانونی طریقے سے پورے کرے۔ نیز بیرونی حملوں اور خطروں سے ملک کو اور کاروبار معیشت کو بچائے۔ ریاست کی ذمہ داری یہ ہے کہ محافظ، نگران اور منصف کا کردار ادا کرے نہ کہ خود تاجر صنعت کار اور زمیندار بن جائے یا زمینداروں صنعتکاروں اور تاجروں کے کاروبار میں بار بار مداخلت کر کے ان کو کام کرنے سے روکے۔[۳۹]

خرابی کے اسباب

صنعتی انقلاب کے زمانے میں جدید نظامِ سرمایہ داری اگرچہ معیشت کے انہی اصولوں پر قائم ہوا تھا جن پر نامعلوم زمانے سے انسان کا کاروبارِ معاش چلتا چلا آرہا تھا لیکن اس کے اندر چار اسباب خرابی کے پیدا ہو گئے جن کے باعث اس کے خلاف شدید ردعمل پیدا ہوا۔

۱۔ اس نظام کے موجدوں، بانیوں اور چلانے والے جانشینوں نے ان اصولوں کے سلسلے میں انتہائی مبالغہ آرائی سے کام لیا جو صنعتی دور کے لیے ناموزوں تھی۔

۲۔ انہوں نے ان فطری اصولوں کے ساتھ چند غلط اصول بھی اپنا لیے۔

۳۔ انہوں نے بعض اہم اصولوں سے صرفِ نظر کیا جو ایک آزاد معیشت کے قیام کیلئے اتنے ہی ضروری تھے جتنے مندرجہ بالا سات اصول جو اس نظام کی بنیاد ہیں۔

۴۔ ایک طرف تو ان نظاموں نے جو سرمایہ داری کے ردّعمل کے طور پہ پیدا ہوئے مثلاً سوشلزم، کمیونزم، فاشزم اور نازی ازم اور دوسری جانب سرمایہ داروں کے نئے وارثوں نے اس نظام میں پیدا ہونے والی خرابیوں کے جو حل تجویز کئے وہ اس لیے ناکامی سے دوچار ہوئے کہ ان میں سے کسی نے بھی مرض کی اصل اور بنیادی وجوہات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ پہلے گروہ نے آزاد معیشت کے ان فطری اصولوں کو ہی مرض کا باعث قرار دیا جن پہ نامعلوم زمانے سے عمل ہوتا چلا آرہا تھا۔ اور ان کا خاتمہ کرنے کے ساتھ ساتھ انفرادی آزادی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ موخرالذکر گروہ نے اپنی تمام تر توجہ صرف شکایات دور کرنے پہ لگا دی اور ان وجوہات کو اسی طرح باقی رہنے دیا جو خرابی کا اصل باعث تھے۔ لہٰذا نظام میں انفرادی آزادی تو تھی لیکن وہ اجتماعی مفاد کے لیے اتنی ہی مضر تھی جتنی نظام سرمایہ داری میں کی گئی اصلاحات سے قبل کے تاریک دور میں تھی۔[۹]

آزاد اسلامی معیشت کے قیام کے طریقے

مذکورہ بالا چار خرابیوں کا اسلام نے جو حل تجویز کیا ہے اس سے مغربی طرز کی بے قید معیشت کی جگہ آزاد اسلامی معیشت کس طرح قائم کی جا سکتی ہے اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اسلام نے اس لامحدود آزادی کو اسی طرح بعض حدود و قیود کا پابند کیا ہے جس طرح تہذیب و تمدن کے دیگر تمام شعبوں میں اس نے انفرادی آزادی کو محدود کیا ہے۔ جس کے ساتھ وہ ایسے تمام مواقع کا سدّباب کرتا ہے جن سے آزاد اسلامی معیشت میں سرمایہ داری کی فاسد و مفسد خصوصیات اور اثرات پیدا ہونے کا امکان ہو۔ اسلام نے آزاد معیشت کے قیام کے لیے جو طریقے اختیار کئے ہیں وہ مندرجہ ذیل اصولوں پہ مبنی ہیں۔

۱۔ انفرادی ملکیت

ملکیت کی مختلف تعریفوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ملکیت کسی شے کی ذات یا اس کے فائدے سے متعلق ایک شرعی حکم ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ جس فرد کی طرف اس حکم کی اضافت کی جائے اسے اس چیز سے فائدہ اٹھانے اور اسے دے کر اس کی قیمت وصول کرنے کا حق دار سمجھا جائے۔[۱۰] انفرادی ملکیت کا حق اسلامی طرز زندگی کا بنیادی اصول اور اسلامی معیشت کی اساس ہے۔[۱۱]

زمین کی ملکیت

اسلام دوسری ملکیتوں کی مانند زمین پر شخصی یا ذاتی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا

ہے۔ جتنی بھی قانونی صورتوں سے ایک چیز پر کسی کی ملکیت ثابت ہوتی ہے ان تمام صورتوں کے مطابق زمین پر بھی شخصی ملکیت قائم ہوسکتی ہے اور اس کے لیے کوئی حد بھی مقرر نہیں۔ جہاں تک جاگیرداری کی خرابیوں کا تعلق ہے تو نہ تو وہ صرف زمینداری کی پیداوار ہیں اور نہ ان کا حل یہ ہے کہ زمین کی ملکیت کا حق ہی ختم کر دیا جائے یا اس پر مصنوعی پابندیاں عائد کی جائیں جیسا کہ زرعی اصلاحات کے نام سے کی جا رہی ہیں اسلامی اصولوں کے مطابق ان کا حل حسب ذیل ہے:

(i) زمین کی خرید و فروخت پر سے تمام پابندیاں ہٹا کر اس کی خرید و فروخت اس طرح ہو جس طرح دوسری اشیاء کی ہوتی ہے۔

(ii) زمیندار اور کاشتکار کے حقوق و فرائض قانون کی رو سے مقرر کر دیے جائیں۔ جن کے علاوہ کسی قسم کے حقوق زمین کے مالکان کو اپنے مزارعوں پر حاصل نہ ہوں۔

(iii) زمینداروں اور مزارعوں کے مابین تجارت میں شریکوں جیسا تعلق ہو۔ اگر زمینداری ظلم کی آلۂ کار بن جائے یا ریاست کے اندر ریاست کی حیثیت حاصل کرے یا جو ناجائز طریقوں سے حصولِ اقتدار کا ذریعہ بن جائے تو اسے ذاتی ملکیت کا وہ تحفظ نہ دیا جائے جو جائز زمینداری کا حق ہے۔

(iv) زمین بے کار یا بنجر رکھنے پر پابندی ہو حکومت نے جو زمین کسی کو بطورِ عطیہ دی ہوں اگر تین سال تک افتادہ پڑی رہیں تو عطیہ منسوخ کر دیا جائے گا اس حدیث کی رو سے:

عادیّ الارض للّٰہ ولرسولہ ثم لکم من بعد فمن احیا ارضًا میتًا فھی لہٗ ولیس لمتحجرٍ بعد ثلاث سنین حق۔

ترجمہ: افتادہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملک ہیں اس کے بعد وہ تمہاری ہیں چنانچہ جو شخص بھی کسی افتادہ زمین کو کارآمد بنالے وہ اس کی ہو جائے گی البتہ کسی ہاتھ ڈالنے والے کا تین سال کے بعد کوئی حق تسلیم نہ کیا جائے گا[12]

(v) جو زرخرید زمین بے کار پڑی رہیں ان پر ایک خاص عرصے بعد ٹیکس لگا دیا جائے ورنہ پلاٹوں کے کاروبار کی صورت میں زمین کی قیمت عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہو جائے گی۔

(vi) زمینداروں سے زرعی پیداوار پر عشر باقاعدگی سے لیا جائے۔

(viii) زرعی املاک پر اسلامی قانونِ میراث ٹھیک ٹھیک نافذ کیا جائے۔

دیگر ذرائع پیداوار وسائلِ پیداوار اور زیرِ استعمال اشیاء میں اسلام کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک پر ذاتی ملکیت صحیح نہ ہو اور دوسرے پر جائز ہو۔ اسلام میں اس بات کی اجازت ہے کہ کوئی شخص ضروریاتِ زندگی اپنے ہاتھ سے تیار کر کے لوگوں کو فراہم کرے یا کاریگروں سے اجرت پر تیار کرا کر دے۔ ان اشیاء کی تیاری اور فراہمی میں جو خام مال، مشینری اور کارخانہ استعمال ہو وہ سب کچھ اس کی ملکیت ہو سکتا ہے۔ صنعتی انقلاب سے پہلے بھی ان سب کی ملکیت جائز اور رواجی تو آج ناروا اور ناجائز کیسے ہو سکتی ہے؟ لیکن بے قید صنعت و تجارت نہ پہلے درست تھی اور نہ اب صحیح ہے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق ان پر مندرجہ ذیل قواعد و ضوابط عائد کرنا ضروری ہیں۔

(i) کسی ایسی مشینی طاقت یا فنی ایجاد کو جو افرادی قوت کی جگہ کام کرتی ہو اس وقت تک صنعت و حرفت اور کاروبار میں زیرِ استعمال لانے کی اجازت ہرگز نہ دی جائے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ وہ کتنے افراد کو بے روزگار کر دے گی اور ان بے روزگار افراد کے لیے پھر متبادل روزگار کا انتظام نہ کر دیا جائے۔

(ii) آجروں اور اجیروں کے حقوق و فرائض اور شرائطِ کار کا تعین تو فریقین کی باہمی رضامندی پر ہی منحصر ہوگا لیکن ریاست اس سلسلے میں یہ ضرور طے کر دے۔

۱۔ ایک کارکن یا مزدور کی کم از کم تنخواہ یا مزدوری۔ (Wages)

۲۔ زیادہ سے زیادہ اوقاتِ کار کی حد (Working Hours)

۳۔ بیماری کی حالت میں مفت علاج کی سہولت اور جسمانی نقصان کی صورت میں تلافی یا معاوضہ اور ناقابلِ کار ہو جانے کی صورت میں پنشن کا حق اور دیگر متعلقہ امور (Social Security) وغیرہ۔

(iii) حکومت آجر اور اجیر کے درمیان نزاعات کا منصفانہ فیصلہ کرے اور اس کے لیے باہمی مفاہمت، ثالثی اور عدل و انصاف کا ایسا قانون وضع کرے جس کی بدولت ہڑتال اور تالا بندی (Lockout) کی نوبت نہ آئے۔

(iv) کاروبار میں احتکار (Hoarding) سٹے، تجارتی قماربازی اور غائب سود قطعاً

ممنوع ہوں۔ اور وہ تمام طریقے بھی ممنوع ہوں جن سے قیمتوں میں مصنوعی اُتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے۔

(vi) قیمتیں مستحکم رکھنے کے لیے زیادہ پیداوار کو قصداً ضائع کرنا قابلِ مواخذہ جرم ہو۔

(vii) تجارت اور صنعت کے ہر شعبے میں کھلا مقابلہ اور مسابقت ہو لیکن اجارہ داری (Monopoly) کی قطعی ممانعت ہو۔

(viii) عامۃ الناس کی صحت اور اخلاق پر برا اثر ڈالنے والی تجارت اور صنعت کی ہرگز اجازت نہ ہو مثلاً فلمی صنعت اور وڈیو گیمز کا کاروبار وغیرہ۔

(ix) صنعت و تجارت پر حکومت نازی انداز کا تسلط (Control) قائم نہ کرے بلکہ راہنمائی اور توفیق (Co-ordination) کا فریضہ ضرور انجام دے جس سے صنعت و تجارت غلط اصول نہ اپنانے پائے اور معاشی زندگی کے مختلف شعبوں میں ہم آہنگی و یک جہتی پیدا ہو۔

(x) اسلامی قانون میراث کے نفاذ کے ذریعے صنعت کاروں اور کاروباری حضرات کی جمع کی ہوئی دولت و ثروت کو ورثاء میں تقسیم کر دے تاکہ دولت مندوں کے مستقل طبقے نہ بن سکیں نیز زرعی پیداوار کی طرح صنعت کاروں اور تاجروں سے بھی ان کے مالِ تجارت اور بچت پر زکوٰۃ وصول کرے۔

۳۔ مالیات

اسلامی مالیات کا اصول افراد کو یہ حق دیتا ہے کہ جو رقم ان کی جائز ضروریات سے فاضل ہو یعنی بچت کو جمع کریں یا اس سے مزید سرمایہ کاری (Invest) کریں یا کسی کو بطور قرض دیدیں یا کسی صنعت و تجارت میں شراکت کر کے نفع و نقصان میں حصہ دار بن جائیں۔ اسلام اگرچہ اپنی فاضل آمدنیوں کو نیکی اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کرنے کو زیادہ پسند کرتا ہے اور اسکی ترغیب بھی دیتا ہے لیکن وہ مندرجہ ذیل ضوابط کے ساتھ مذکورہ بالا طریقوں کی بھی اجازت دیتا ہے:

(i) بچت کی صورت میں کل بچت کا ۲½ فی صدی سالانہ بطورِ زکوٰۃ ادا کریں اور اگر مر جائیں تو میراث کے اسلامی قانون کے مطابق ورثاء میں تقسیم کر دی جائے۔

(ii) قرض دیں تو صرف اصل زر (Principal) واپس لیں۔ سود کے حقدار وہ نہیں ہیں خواہ قرض انہوں نے قرض دار کی ذاتی ضروریات پورا کرنے کے لیے دیا ہو یا اس نے کسی کاروبار یا صنعت میں لگانے کے لیے لیا ہو۔ قرض کے بدلے اگر کوئی زمین یا جائیداد رہن رکھ لی ہو تو اس

سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھائیں کیونکہ یہ بھی سود ہے۔ اسی طرح قرض یا قسطوں پر مال بیچنے کی صورت میں زیادہ دام (نقد کی نسبت) لینا بھی ناجائز ہے۔

(iii) شراکت کی صورت میں نفع اور نقصان میں یا برابر کے شریک ہوں یا ایک طے شدہ تناسب کے حساب سے۔ حصّہ داری کی ایسی صورت قطعًا ناجائز ہے کہ سرمایہ لگانے والا صرف مقررہ شرح سے نفع میں شریک ہو۔

۴۔ حکومت کی محدود مداخلت

اسلام کا اصول یہ ہے کہ حکومت بجائے خود زمیندار، صنعت کار یا تاجر نہ بنے۔ حکومت کا فریضہ رہنمائی کرنا ہے مفاسد کے سدِّباب کے لیے عدل کا قیام ہے۔ اجتماعی فلاح ہے۔ سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ سوداگر بن جانے کے نقصانات اس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ حکومت صرف ایسے کاروبار اور صنعتیں چلانے کا بندوبست کرے جو اجتماعی فلاح کے لیے ضروری ہوں اور افراد کے ہاتھوں ان کا انتظام اجتماعی مفاد میں نہ ہو یا افراد ان کا انتظام کرنے کیلئے بوجوہ کتراتے ہوں۔ اس کے علاوہ دیگر صنعتی یا تجارتی منصوبے اگر اجتماعی فلاح و بہبود کی غرض سے شروع بھی کرے تو اسے رفتہ رفتہ انفرادی کنٹرول میں دے دے۔

۵۔ ایتاءِ زکوٰۃ

اسلام ایک طرف ہر مسلمان کو یہ حکم دیتا ہے کہ ہر محتاج کی حتی المقدور مدد کرے دوسری جانب وہ زمینداروں، تاجروں اور صنعت کاروں پر بھی یہ فرض کرتا ہے کہ وہ اپنے ملازموں، کارکنوں اور مزارعوں کے حقوق پورے پورے ادا کریں۔ اس کے علاوہ پورے مسلم معاشرے اور ریاست سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کا ہر فرد ہر رکن کم سے کم ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے اسلام اس کے لیے مندرجہ ذیل طریقوں سے مالی وسائل مہیا کرتا ہے۔

(i) ہر صاحب نصاب شخص اپنے سرمایہ کا ڈھائی فی صدی سالانہ بطور زکوٰۃ دے۔

(ii) زمیندار اپنی بارانی زمین کی پیداوار کا دس فی صدی (عشر) اور چاہی و نہری زمین کی پیداوار کا پانچ فی صدی حصّہ ادا کرے۔ وَاٰتوا حقہٗ یوم حصادہٖ۔

(iii) گلہ بان جو مقدار نصاب سے زیادہ مویشیوں کے مالک ہوں مقررہ نصاب کے مطابق

ہر سال زکوٰۃ الماشیۃ ادا کرے ۔

(۷۱) ہر صنعت کار اور تاجر اپنے اموالِ تجارت کا ڈھائی فی صدی حصّہ ہر سال ادا کرے ۔

(۷) معدنیات اور دفینوں میں سے خمس وصول کیا جائے ۔

(۱۷۱) جنگ کی صورت میں مالِ غنیمت میں سے بیس فی صدی حصّہ الگ کر لیا جائے۔[۱۳]

آزاد اسلامی معیشت کے بنیادی اصول

آزاد اسلامی معیشت کے چار بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں :

۱ - چند حدود و قیود کی پابند اسلامی معیشت ۔

۲ - میراث کا قانون ۔

۳ - حرمتِ سود ۔

۴ - فرضیت زکوٰۃ ۔

ان میں سے پہلے اصول کو وہ لوگ بھی اب اصولی طور پر درست تسلیم کرنے لگے ہیں جن پر بے قید (مادر پدر آزاد) معیشت کی شناعتیں اور اس کے ردِ عمل یعنی اشراکیت و فاشزم کی قباحتیں عیاں ہو چکی ہیں ۔ زمین اور دیگر وسائل پیداوار کی انفرادی ملکیت کے بارے میں ان کے ذہنوں میں کچھ الجھنیں ضرور باقی ہیں لیکن وہ بھی دور کی جا سکتی ہیں اگر وہ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ انفرادی ملکیت انسان کا بنیادی حق ہے اور اسلام نے اسے اپنے معاشی نظام کی بنیاد قرار دیا ہے لیکن چند حدود و قیود کے ساتھ ۔ اسلام اس حق کو تسلیم کرنے پر مرتب ہونے والے لازمی نتائج کو بھی تسلیم کرتا ہے یعنی حقدار کے حق کا تحفظ اور اسے چوری ڈاکہ ، نہب و سلب ، لوٹ مار سے محفوظ رکھنا مزید براں وہ اس بات کو بھی جائز نہیں رکھتا کہ بغیر کسی اجتماعی ضرورت کے اور پورا معاوضہ ادا کئے بغیر کسی کی ملکیت کو چھین لینا ۔ دست اندازی کی تمام صورتوں پر سخت سزائیں مقرر کر کے اس تحفظ کی عملی طور پر ضمانت فراہم کرتا ہے ۔ اور یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا یا تصرف میں لانا جائز نہیں ہے ۔ اسلام انفرادی ملکیت کے دیگر لوازم کو بھی تسلیم کرتا ہے یعنی اپنے مال میں تجارت ، اجارہ ، رہن ، ہبہ اور وصیت کے ذریعہ تصرف کی ان تمام صورتوں کو جائز قرار دیتا ہے جو حلال ہوں اور ایسے تصرفات کے لیے اس نے جو حدود و قیود مقرر کی ہیں ان کے اندر رہ کر

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اسلام اس صریح اور واضح حق کو تسلیم کرتا ہے۔
للرّجال نصیب ممّا اکتسبوا ط وللنساءِ نصیب مما اکتسبن۔
ترجمہ: مردوں کے لیے جو وہ کمائیں اس میں سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں [۱۴]
صحیح مسلم کی ایک حدیث مبارک ہے:
من قتل دون مالہ فھو شھید۔
ترجمہ: جو اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے [۱۵]
چوری کی سزا قطع ید اس حق کے احترام اور اس پر دست اندازی کی ممانعت کی بین دلیل ہے۔ فرمان الٰہی ہے:
والسّارق والسّارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالاً مّن اللہ ط
ترجمہ: چوری کرنے والے مرد اور عورت (کا حکم یہ ہے) کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں اس جرم کے بدلے میں جس کے مرتکب ہوئے۔ اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر [۱۶]
غصب کرنا حرام اور اس جرم کا مرتکب ملعون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:
من اخذ شبرا من الارضِ ظلماً فانّہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین۔
ترجمہ: جو کسی دوسرے کی زمین کا بالشت بھر حصہ بھی غصب کرے گا قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا [۱۷]
ذاتی ملکیت کا حق دینا اور اس کو تحفظ مہیا کرنا محنت اور اجرت کے درمیان عدل قائم کرتا ہے یہ امر عدل کے اولین تقاضوں میں سے ہے کہ جہاں تک اجتماعی مفاد کے لیے مضر نہ ہو اجتماعی نظام کو مرد کے میلانات و رجحانات سے ہم آہنگ اور اس کی خواہش کے مطابق ہونا چاہیے کیونکہ فرد بھی تو اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے اپنا آرام و سکون تج دیتا ہے اور اپنی تمام ذہنی و جسمانی قوتیں

صرف کرتا ہے ۔ اس لیے معقول طبعی محرکات و عوامل کو کچلنا فرد یا جماعت کے حق میں بہتر نہیں ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ فطری میلانات کو دبا کر اور ان کی راہ روک کر ہی عدل قائم کیا جا سکتا ہے وہ فطرتِ انسانی سے بغاوت کرتے ہیں ۔

ذاتی ملکیت کے بارے میں اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ اپنے اموال و املاک پر اس کا قبضہ ملکیت سے کہیں زیادہ ایک ذمہ داری ہے ۔ ذاتی ملکیت اس وقت موجود میں آتی ہے جب ایک انسان اپنی ذاتی محنت سے ان اشیاء میں سے کسی چیز کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے جس پر اللہ نے بنی نوعِ انسان کو اپنا نائب بناتے ہوئے ایک عام حقِ ملکیت عطا فرمایا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے واضح ہے :

اٰمنو باللّٰہ و رسولہ و أنفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ[۱۸]

ترجمہ : اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں تم کو نائب مقرر کیا گیا ہے اس میں سے خرچ کرو ۔

مال سے استفادہ کے بارے میں اسلام کا دوسرا اصول یہ ہے کہ مال کا لوگوں کے ایک خاص گروہ میں محدود ہو جانا اور اسی طبقے میں گردش کرتے رہنا کہ جس سے دوسرے لوگ محروم ہو جائیں سخت ناپسندیدہ اور نامطلوب ہے ۔

کَیۡ لَا یکون دولۃً بین الأغنیآء منکم ۔

ترجمہ: تاکہ مال تمہارے مالدار لوگوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے[۱۹]

بلکہ مطلوب یہ ہے کہ تُوخذ من اغنیائھم و تردّ فی فقرائھم یعنی مال کا ایک حصّہ ایسا بھی ہے جو جماعت کے حاجت مندوں کا حق ہے یہ مال زکوٰۃ ہے جو زکوٰۃ دینے والوں کی ملکیت سے نکل کر زکوٰۃ کے مستحق افراد کی ملکیت بن جاتا ہے اس کا ذکر فرضیتِ زکوٰۃ کے ذیل میں آئے گا ۔

ملکیت دولت کے باب میں اسلام نے مال کے ذریعے مزید مال کمانے اور اسے تصرف میں لانے کے طریقوں میں بھی مداخلت کی ہے ۔ وہ اس سلسلہ میں مالک کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ فرد کے ذاتی مفاد کے پہلو بہ پہلو جماعت کا مفاد بھی ملحوظ خاطر ہے سب سے فرد معاملا

کرتا ہے۔ چنانچہ ہر فرد کو مال کے ذریعے نفع حاصل کرنے کی پوری آزادی ہے لیکن قانونِ الٰہی کے مقررہ حدود کے اندر۔ اسلام افزائش دولت کے صرف پاکیزہ اور ستھرے ذرائع کو جائز قرار دیتا ہے اور پاکیزہ وسائل کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مال اور سرمایہ کو اس حد تک بڑھنے کا موقع نہیں دیتے کہ امت دو طبقوں یعنی مالدار اور نادار میں بٹ جائے۔ آج سرمایہ میں جو بے تحاشہ اضافہ نظر آرہا ہے اس کا باعث دراصل۔ دھوکہ فریب مکر سودی معیشت مزدور اور حقدار کی حق تلفی احتکار عوام کی ضروریات سے ناجائز فائدہ اٹھانا غصب اور چوری ڈکیتی وغیرہ جرائم ہیں جو آج کے مروجہ معروف طریقہ استحصال (Exploitation) میں مضمر ہیں۔ اسلام ان کے استعمال کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔

میراث کا قانون

اسلام نے تمام دنیا کے قوانین وراثت سے جدا جو مسلک اپنایا ہے اب بتدریج تمام دنیا اس کی طرف پلٹ رہی ہے یہاں تک کہ سابقہ اشتراکی روس بھی اسے اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں سابقہ روس کے قانونِ وراثت میں اولاد، بیوی، شوہر، والدین، بھائیوں، بہنوں اور متبنیٰ کو وارث مقرر کیا نیز یہ ضابطہ بھی بنایا گیا کہ انسان اپنی میراث اپنے حاجت مند قریبی رشتہ داروں اور پبلک اداروں میں تقسیم کرنے کی وصیت بھی کرسکتا ہے۔ مگر عزیز واقارب کا حق مقدم ہے نیز ایسی وصیت ممنوع ہے جس کی رو سے نابالغ اولاد یا غریب وارثین وراثت سے محروم ہوجائیں۔

اسلام میں جس طرح فرد کو ذاتی ملکیت کا حق ہے ورثہ پانے اور وارث بنانے کا حق بھی حاصل ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ۔ ترجمہ: مردوں کا حصہ ہے اس ترکہ میں سے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور (اسی طرح) عورتوں کا بھی والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں حصہ ہے[۲۱]

اور ترکے کا اصول کلالہ کی میراث کی استثناء کے ساتھ یہ ہے۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ۔ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے[۲۲]

حقِ وراثت و توریث عدلِ اجتماعی کے مطابق اور جماعت کے مفاد سے ہم آہنگ ہے۔
یہ تصوّر نوعِ انسانی کی ایک نسل اور دوسری نسلوں کے مابین کوئی مصنوعی دیوار قائم نہیں کرتا نیز
یہ حق تقسیمِ دولت کے وسائل میں سے بھی ایک اہم وسیلہ ہے اسلام کا قانونِ وراثت پشت در پشت
جمع ہونے والی دولت کی تقسیم کا ایک مؤثر ذریعہ ہے چنانچہ اس کے ذریعہ ایک ملکیت محض مالک
کی وفات کے بعد اس کی اولاد اور رشتہ داروں کو منتقل ہو جاتی ہے اور اس طرح چھوٹے چھوٹے
یا متوسط حصّوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور دولت کے ارتکاز یا اس کے ایک طبقہ کے اندر محدود
ہو جانے کا خدشہ نہیں رہتا۔ فقہ میں علم الفرائض بڑا ادق مضمون سمجھا جاتا ہے اور اس مختصر سے مضمون
میں اس کی تمام تفصیلات اور جزئیات کا احاطہ ظاہر ہے قطعی محال ہے۔

حرمتِ سُود

جدید دور کا ایک عظیم اور روح فرسا سانحہ جو اس قبیح شکل میں دورِ جاہلیت
میں بھی پیش نہیں آیا تھا یہ ہے کہ جدید سُود خور (جو قدیم زمانے میں بنیوں اور ساہوکاروں
کی صُورت میں ہوتے تھے آج جدید بنکوں کی شکل میں ہر گلی ہر بازار میں قائم ہیں) دنیا کے غریب عوام
کو اس خوش فہمی میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ سُودی معیشت ہی قدرتی اور معقول نظام ہے اور
یہ اس عظیم اثر و رسُوخ کی وجہ سے ہے جو ان سُود خوروں کا بین الاقوامی اداروں اور حکومتوں میں اور ان
کے باہر بھی ہے۔ تمام دنیا کے رسل و رسائل اور تعلیم و تربیت کے نظام پر یہی لوگ قابض ہیں اخبارات
و رسائل، کتابوں اساتذہ، سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، ریڈیو، ٹی وی، سنیما گھروں پر یہی حاوی ہیں
نتیجہ یہ ہے کہ یہ سب بے رحم سُود خود دنیا کے جن غریب عوام کا خون چوستے اور ہڈیاں تک چبا جاتے ہیں
ان کے اذہان میں انہوں نے یہ تصور راسخ کر دیا ہے کہ معاشی ترقی کی واحد معقول صُورت سُود ہے
اس کے سوا کسی اور صُورت سے ترقی ناممکن ہے مغرب کی تمام معاشی ترقی اس سُودی نظام کی
وجہ سے ہے انہوں نے دنیا کے تمام عوام کو اس کا قائل کر لیا ہے کہ جو لوگ سُود ختم کرنا چاہتے ہیں
وہ احمقوں کی دنیا میں بستے ہیں، وہ عملی حالات سے آگاہ اور واقف نہیں ان کے خیال کی بنیاد صرف
اخلاقی نظریات پر ہے اور وہ آئیڈیل کی تلاش میں ہیں جن کا واقعات کی دنیا سے کوئی سروکار نہیں
ان کی رائے کو جدید معاشی نظام میں کوئی وقعت دی گئی تو یہ پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ وہ
کہتے ہیں کہ حرمتِ سُود محض ایک جذباتی نعرہ ہے نیز بلا سُود کسی کو قرض دینا ایک اخلاقی رعائت

ہے جس کا مذہب نے بلاوجہ اور اسقدر مبالغے کے ساتھ تقاضا کیا ہے ورنہ منطقی لحاظ سے سُود ایک معقول شئے ہے اور معاشی حیثیت ہے وہ عملاً مفید اور لازمی ہے اسی غلط نظریے کی ترویج کا کرشمہ یہ ہے کہ جدید نظام سرمایہ داری کی تمام خامیاں اور عیوب تو ناقدین کو نظر آتے ہیں مگر اس کی سب سے بڑی اور بنیادی عیب پر کسی کی نظر نہیں یہاں تک کہ دنیا کی اشتراکی مملکتیں بھی سرمایہ داری کی اس ام المسائل اور ام الخبائث کو یورپ اور امریکہ کی طرح اپنا رہی رہی ہیں بلکہ حیرت تو اس پر ہے کہ خود مسلمانانِ عالم جن کی شریعت اور مذہب سُود کے سب سے بڑے مخالف ہیں مغرب کے اس گمراہ کن پروپیگنڈے کے زیر اثر سُود کو جائز و معقول اور حلال وطیب سمجھ کر شیر مادر کی طرح کھا رہے ہیں اور اس میں دین اخلاق عقل اور اصول علم معیشت کے لحاظ سے کوئی قباحت نہیں سمجھتے

فرضیت زکوٰۃ

اس اصول کی اہمیت بھی اب کسی اہل نظر سے تو مخفی نہیں ہے لیکن پھر بھی ایک کثیر لٹریچر کی اشاعت اور دیگر میڈیا پر تشہیر کے ذریعے اس بات کو ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے کہ اشتراکیت، فاشیت اور سرمایہ دارانہ جمہوریت نے اب تک سوشل انشورنس کا جو وسیع جال دنیا میں پھیلایا ہے زکوٰۃ اس سے کہیں زیادہ وسیع پیمانے پر اجتماعی انشورنس کا اہتمام کرتی ہے - جدید ماہرین معاشیات کو مشکل یہ درپیش ہے کہ زکوٰۃ خمس پر ایک جدید ریاست کے مالیاتی نظام کو کیسے استوار کیا جا سکتا ہے اس کے لیے بہت ضروری ہے کہ جدید ماہرین معاشیات ۔ اسلامی معیشت کے ماہرین اور ثقہ علماء سے راہنمائی حاصل کریں یا ان کے ساتھ مل بیٹھیں تو انشاء اللہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا ایک قابل عمل حل نکالا جا سکتا ہے لیکن پھر اس نظام کو روبہ عمل لانا بہر حال جدید اسلامی حکومتوں کا ہی کام ہے اور ایک مرتبہ کسی بھی اسلامی ملک میں اس پر صحیح صحیح عمل ہو گیا تو دنیا دیکھے گی کہ آج کے پیچیدہ اور گھمبیر معاشی مسائل کا واحد حل آزاد اسلامی معیشت کے قیام میں ہی مضمر ہے ۔

وما علینا الا البلاغ المبین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم

حوالہ جات

مصادر و مراجع

۱ ۔ ابوالاعلیٰ مودودی ۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات ۔ لاہور ۔ ۱۹۸۷ء ص ۱۳

۲ ۔ Prof. M.M. nawaz Khan: Islamic & Other Economic Systems Lahore,1989 P.281-282

۳ ۔ ABID P.19

۴ ۔ IBID P.43-44

۵ ۔ Dr. K.K. Dewitt, Modern Economic Theory, New Delhi, 1991-92 P.589 591

۶ ۔ Prof. M.M. Nawaz Khan, Islamic & Other Economic System Lahore, 1989, P.45

۷ ۔ Dr. K.K. Dewitt: Modern Economic Theory. New Delhi, 1991-92 P.590

۸ ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات لاہور ۔ ۱۹۸۷ء ص ۲۷

۹ ۔ ایضاً ص ۱۲۵

۱۰ ۔ پروفیسر ابوزہرہ ۔ الملکیۃ ونظریۃ العقد فی الشریعۃ الاسلامیۃ قاہرہ ص ۵۹

۱۱ ۔ سید قطب شہید ترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ۔ اسلام کی اقتصادی پالیسی لاہور ۱۹۶۹ء ص ۹

۱۲ ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب احیاء الموات والشرب ص ۲۵۹ ۔ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳۶۸ھ
نیز الہدایۃ جلد ۔ ۴ کتاب احیاء الموات ص ۷،۹ مکتبہ شرکۃ علمیۃ بوہڑ گیٹ ملتان ۔

۱۳۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۳۸-۱۲۷

۱۴۔ سورہ النسار : ۳۲

۱۵۔ صحیح مسلم۔ج ۱ ص ۸۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع۔ طبع اول ۱۳۷۵ھ

۱۶۔ سورہ المائدہ : ۳۸

۱۷۔ مشکوٰۃ۔ باب الغصب والعاریۃ ص ۲۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۱۳۶۸ھ

۱۸۔ سورہ الحدید : ۷

۱۹۔ سورہ الحشر : ۷

۲۰۔ سورہ النسار : ۷

۲۱۔ سورہ النسار : ۱۱